رسائل و مسائل

شادی بیاہ کا مسنون طریقہ

شادی بیاہ کے موقع پر بہت سی رسوم بھی ادا کی جاتی ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ قرآن و حدیث کے احکام کی روشنی میں شادی بیاہ کیسے کیا جائے اور اس کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

۱۔ نکاح عِفّت و پاک دامنی کے تحفظ کا ذریعہ ہے، حکم خداوندی اور سنّت رسول ؐ ہے، اور نسلِ انسانی کی بقا کا سبب ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ، اے مسلمانو، غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی شادی کا انتظام کرو۔

رسول اللہ ؐ نے فرمایا ہے: نوجوانو، تم میں سے جو نکاح کی استطاعت رکھتے ہوں وہ شادی ضرور کرلیں اس لیے کہ نکاح نظر اور شرمگاہ دونوں کو قابو میں رکھنے کا ذریعہ ہے (بخاری و مسلم)۔

۲۔ رشتے کے انتخاب میں مالی حیثیت، معاشرتی حیثیت، تعلیم، خاندانی تعلق اور حسن کو ملحوظ رکھنا بھی جائز ہے، بلکہ مناسب اور بہتر بھی ہے۔ لیکن ترجیح لازمی طور پر حُسنِ عقیدہ، حُسنِ کردار اور حسنِ اخلاق ہی کو دینی چاہیے۔ اپنی اولاد کو بدکردار شخص کے حوالے کرنا دراصل اسے آگ میں جھونکنے کے مترادف ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا، اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں (رشتہ داروں) کو آگ سے بچاؤ۔ رسول اللہ ؐ نے فرمایا ہے: کسی عورت سے شادی چار چیزوں کی وجہ سے کی جاتی ہے: مال، معاشرتی حیثیت، خوبصورتی اور دین داری، تم دین دار عورت کو حاصل کرنے کی کوشش کرو (بخاری و مسلم)۔

رشتے کے انتخاب کے وقت لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کو دیکھ بھی سکتے ہیں یعنی چہرے کو۔ (ابو داؤد)

۳۔ پیغام نکاح اور منگنی کی مروجہ رسوم کی ضرورت نہیں ہے۔ زبانی یا بذریعہ خط و کتابت معاہدہ کافی ہے۔ حضرت علی ؓ نے خود ہی زبانی طور پر حضرت فاطمہ ؓ کا رشتہ مانگا تھا۔ البتہ لڑکا یا اس کا کوئی سرپرست منگنی کے موقع پر لڑکی کو حسب توفیق کوئی تحفہ دینا چاہے تو اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے

بلکہ یہ باہمی محبت کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ اگر منگنی لڑکے نے توڑی ہو تو اپنے دیے ہوئے تحفوں کو واپس مانگنا اخلاقاً معیوب ہے لیکن اگر منگنی لڑکی والوں کی جانب سے توڑی گئی ہو تو لڑکا اپنے تحفوں کو واپس مانگ سکتا ہے۔

۴۔ فخر و نمایش کے لیے بڑی برات کا اہتمام کرنا خلاف سنت ہے۔ بعض علاقوں میں برات کو کھانا کھلانے کے لیے لڑکے والوں سے رقم طلب کی جاتی ہے۔ فقہانے اسے رشوت سے تشبیہ دی ہے جسے واپس دینا لازم ہے۔ بعض علاقوں میں لڑکی کا سرپرست اپنے لیے بھاری رقم طلب کرتا ہے۔ یہ تو آزاد عورت کو بیچنے کے مترادف ہے اور ممنوع ہے۔ بعض علاقوں میں لڑکی والوں پر یہ شرط عائد کی جاتی ہے کہ برات کو فلاں قسم کا کھانا لازماً کھلایا جائے گا۔ یہ بھی غیر اسلامی اور غیر ضروری رسم ہے جس کی وجہ سے لڑکی والوں کو بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور لڑکیوں کی شادیاں کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس رسم کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے۔ البتہ اگر لڑکی والے ' اپنی حیثیت اور اپنی استطاعت کے مطابق اپنی مرضی سے ' بغیر کسی سابقہ شرط کے ' برات کی خاطر تواضع کریں اور مہمانوں کی حیثیت سے ان کی ضیافت کریں ' تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ مہمانوں کی ضیافت ایک مسنون طریقہ ہے۔ لیکن آج کل یہ رسم ضیافتِ مسنونہ کی بجائے شادی کی لازمی رسوم میں شامل ہوگئی ہے۔ اور بے جا اور غیر ضروری پابندی ہے۔

حضرت فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی انتہائی سادہ طریقے پر ہوئی تھی۔ انس بن مالک ؓ کے ذریعے ابوبکر ؓ ' عمر ؓ ' عثمان ؓ ' طلحہ ؓ اور انصار کی ایک جماعت کو بلایا گیا ' رسول اللہ ؐ نے خود خطبہ مسنونہ پڑھ کر نکاح کر دیا۔ نکاح کے بعد رسول اللہ ؐ نے حاضرین میں کھجوریں تقسیم کیں ' اور حضرت ام ایمن ؓ کے ہمراہ فاطمہ ؓ کو حضرت علی ؓ کے گھر بھیج دیا۔ (تاریخ الخمیس)

۵۔ شادی کے موقع پر طوائفوں کا گانا بجانا ' ڈھول ' طبلہ ' بانسری ' سارنگی اور باجہ وغیرہ بجانا سب ممنوع ہیں۔ رسول اللہ ؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ نے مجھے ان باجوں (مزامیر شیطانیہ) اور بت پرستی کو مٹانے کے لیے بھیجا ہے (مسند احمد)۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ رنڈیوں (مغنیات) کی خرید و فروخت ' ان کو گانے بجانے کی تعلیم دینا اور اس کاروبار کی کمائی حلال نہیں ہے (مشکوٰۃ)۔

مردوں کی محفل میں طوائفوں کا ناچنا اور گانا بجانا تو ظاہر ہے کہ آنکھوں اور کانوں کا زنا ہے اور حرام ہے۔ لیکن عورتوں کی مخصوص محفل میں بھی ڈومنیوں اور میراثنوں کا ناچنا ممنوع ہے۔ البتہ اگر عورتوں کی مخصوص محفل میں ' ڈھول باجے اور ناچنے کے بغیر ' کوئی بامقصد گانا گایا جائے اور ساتھ دف بجایا جائے ' یا دلہن کا استقبال کرنے کے لیے کوئی خیر مقدمی نظم پڑھی جائے ' تو اس کا ثبوت احادیث

میں موجود ہے (مسند احمد)۔اسلام جائز اور بامقصد تفریح کی اجازت دیتا ہے 'اور خوشی کے موقع پر اپنے جذبات کا اظہار کرنا کوئی بُری بات نہیں ہے۔

۶۔جہیز دینا نہ لازم ہے اور نہ ممنوع ہے۔لیکن آج کل اس کو بھی شادی کی ضروری شرائط میں شامل کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ناقابل برداشت پریشانیاں معاشرے میں پھیل گئی ہیں۔ ان اعظم النکاح برکة الیسر دمئونة 'سب سے زیادہ برکت اس شادی میں ہوتی ہے جس میں بوجھ کم سے کم اٹھانا پڑے۔ (مسند احمد عن عائشہ ؓ)

البتہ لڑکی کا وارث اور سرپرست اگر اپنی خوشی سے اپنی استطاعت کے مطابق بچی کو اس کی ضرورت کی چیزیں دینا چاہے تو یہ ممنوع بھی نہیں ہے۔بلکہ اپنی اولاد کے ساتھ احسان کرنا ہے جو مستحسن ہے۔مگر یہ شادی کے لوازمات و شرائط میں شامل نہیں ہے۔

رسول اللہ ؐ نے اپنی بیٹی فاطمہ ؓ کو مختصر سا جہیز دیا تھا 'جو یہ تھا (۱) دو عدد یمنی چادریں (۲) دو عدد توشک (۳) ۴ عدد گدے (۴) دو عدد چاندی کے بازوبند (۵) ایک گھڑا (۶) ایک کملی (۷) ایک تکیہ (۸) ایک پیالہ (۹) ایک چکی (۱۰) ایک مشکیزہ (۱۱) اور بعض روایتوں کے مطابق ایک پلنگ۔ (تاریخ خمیس)

اپنی حیثیت کے مطابق لڑکی کا وارث جو چاہے دے سکتا ہے 'لیکن آج کل جہیز کی نمایش اور فخر و مباہات کے لیے بڑا جہیز دینا ایک لازمی شرط بن گئی ہے۔جس کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے تاکہ نکاح آسان سے آسان تر ہو جائے اور لڑکیاں جہیز فراہم ہونے کے انتظار میں بیٹھی نہ رہیں۔

۷۔مہر عورت کا حق ہے۔اس کی کم سے کم مقدار ۱۰ درہم ہے اور زیادہ سے زیادہ مقدار کی شرعاً کوئی حد مقرر نہیں ہے۔اگر قنطار یعنی بہت سا مال بھی اپنی خوشی سے مقرر کر لیا ہو تو اس کا ادا کرنا لازم ہے۔(سورۃ النساء ۴: ۲۰) اپنی حیثیت کے مطابق جو چاہے اور جتنا چاہے مقرر کر سکتا ہے۔ لیکن فخر و مباہات کے لیے اور شرافت و کرامت کا ذریعہ سمجھ کر نمایش کے لیے زیادہ سے زیادہ مہر مقرر کرنا خلاف سنّت ہے۔حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے: خبردار عورتوں کا مہر نہ بڑھاؤ (یعنی حیثیت سے زیادہ نہ بڑھاؤ)۔اگر یہ دنیا میں عزت و کرامت کی چیز ہوتی اور آخرت میں تقویٰ کی چیز ہوتی تو اللہ کے نبی ؐ اس کے زیادہ مستحق ہوتے حالانکہ رسول اللہ ؐ نے اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں میں سے کسی کا مہر بھی بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں کیا۔دوسری روایت میں ساڑھے بارہ اوقیہ آیا ہے (یعنی کل ۵۰۰ درہم۔ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی بنتا ہے) (ابو داؤد)

حضرت فاطمہ ؓ کا مہر ۴۰۰ مثقال چاندی مقرر ہوا تھا (ایک مثقال ۴ ماشہ ۴ رتی چاندی ہوتا ہے)

حضرت ام حبیبہ ؓ (زوجہ رسول ؐ) کا مہر اگرچہ ۴ سو دینار سونا (۴ ہزار درہم) مقرر ہوا تھا لیکن یہ شاہ حبشہ نجاشی نے اپنے ذمے لیا تھا۔ (سیرت ابن ہشام)

۸۔ مہندی اور مائیاں بٹھانے کی رسم تو ایک فضول رسم ہے، لیکن لڑکی کو دلہن بنانا اور شوہر کے گھر بھیجنے کے لیے تیار کرنا، اچھے کپڑے پہنانا، حسبِ توفیق زیور پہنانا، اور خوبصورتی کے لیے مہندی وغیرہ لگانا، اچھی چیزیں ہیں اور صحابیات سے ثابت بھی ہیں۔

۹۔ شادی کے موقع پر ادل بدل کے طور پر مروجہ طریقے پر تحفوں کا تبادلہ کرنا غیر ضروری رسم ہے جس کا انسداد ہونا چاہیے۔ البتہ دلہن کے لیے شوہر کے گھر آنے کے بعد پڑوسیوں یا رشتہ داروں کی طرف سے تحفے بھیجنا احادیث سے ثابت ہے۔

۱۰۔ ولیمہ مسنون ہے۔ اس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بلا تکلف اور بلا تفاخر سادہ طریقے پر جس قدر میسر ہو اپنے دوستوں کو کھلا دے۔ رسول اللہ ؐ نے فرمایا ہے: مقابلے اور نمایش کے لیے دیا ہوا ولیمہ بدترین ولیمہ ہے۔ (گوہر رحمان)

شوہر جب بیوی کو خرچہ نہ دیتا ہو تو نکاح فسخ ہو سکتا ہے

لڑکی، جس کا نکاح تقریباً ۶ سال پہلے زید سے ہوا تھا، ۲ سال پہلے اپنی والدہ کے ہمراہ کراچی آگئی تھی۔ اس ۲ سال میں اس کے شوہر نے کوئی خط نہیں بھیجا ہے۔ بہت سے خطوط زید کے نام بھیجے گئے لیکن تاحال کوئی جواب نہیں آیا۔ اب اس سے رابطہ کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، نہ رابطے کی کوئی امید، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ اب وہاں پر ہے یا نہیں۔ لڑکی کی والدہ کا کہنا ہے کہ ہم جب پاکستان آرہے تھے تو اسے ساتھ چلنے کو کہا، مگر اس نے کہا کہ تم لوگ جاتے ہو تو چلے جاؤ ہم یہیں رہیں گے۔ اب وہ نہ طلاق نامہ بھیجتا ہے اور نہ خرچہ بھیجتا ہے۔ والدہ چاہتی ہے کہ اپنی بیٹی کا کسی سے نکاح کرالے کیا ان حالات میں لڑکی نکاح ثانی کر سکتی ہے؟

زید مفقود الخبر کی قانونی تعریف میں تو نہیں آتا۔ فقہا نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ اس کی جائے رہایش بھی معلوم نہ ہو اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے یا قیام و سکونت کی جگہ معلوم ہو مگر موت و حیات کا پتہ نہ ہو۔ لڑکی کو یہ علم ہے کہ زید ڈھاکے میں رہتا ہے اور وہ دو سال پہلے اسے زندہ چھوڑ کر آئی تھی اس لیے ظاہر یہی ہے کہ وہ زندہ ہو گا اور ریڈ کراس کے ذریعے یا حکومت پاکستان کے سفارت خانے کے ذریعے یہ معلوم بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ زحمت اٹھانی پڑے گی۔

درمختار میں مفقود الخبر کی تعریف اس طرح کی گئی ہے: ''مفقود' لغت میں معدوم کو کہتے ہیں۔

شرعاً اس سے مراد وہ غائب شخص ہے جس کا حال معلوم نہ ہو کہ آیا زندہ ہے 'جس کے آنے کی امید نہ ہو یا مرکر سپردِ لحد ہو گیا ہے"۔

ابن عابدین لکھتے ہیں: "میں کہتا ہوں کہ بظاہر مکان سکونت کا علم اس کی موت و حیات کے علم کو مستلزم ہے۔اور اس کا عدم علم 'موت و حیات کے عدم علم کو مستلزم ہے---لیکن اگر اس کی جائے قیام تو دار الحرب میں معلوم ہو 'مگر اس کے حالات معلوم نہ ہوں کہ زندہ ہے یا مر گیا ہے 'تو بے شک یہ بھی مفقود الخبر ہے"۔

زوجہ "مفقود الخبر" کے بارے میں مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ چار سال کے بعد یا 'بعض صورتوں میں ایک سال کے بعد 'اس کا نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔لیکن یہ مدت اس وقت سے شروع ہو گی جس وقت زوجہ مفقود کی درخواست پر قاضی مجاز نے فسخ نکاح کے لیے یہ مدت مقرر کی ہو۔اس مدت کے بعد عدّت گزار کر وہ نکاح ثانی کر سکے گی۔علماے دیوبند ؒ نے مالکیہ کے مسلک پر فتویٰ دے دیا ہے۔اس فتوے اور مالکیہ کے مسلک کی تفصیلات کے لیے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے "الحیلۃ الناجزہ للحیلۃ العاجزہ" کے نام سے مستقل رسالہ لکھا ہے 'جس پر تقریباً تمام اکابر علماے دیوبند کے تائیدی دستخط موجود ہیں۔

لیکن زید کے مفقود الخبر ہونے پر میں مطمئن نہیں ہوں اس لیے اس لڑکی پر مفقود الخبر کی زوجہ کے احکام کا اطلاق کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔البتہ فسخ نکاح کی ایک دوسری صورت بھی ہے۔

لڑکی اگر دھاکے سے اپنے شوہر کی اجازت اور رضامندی سے کراچی آئی تھی 'جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے 'تو پھر اس کے اخراجات اور حقوق زوجیت شوہر پر واجب ہیں۔اخراجات کی وصولی چونکہ بظاہر ناممکن ہے اس لیے مالکیہ اور حنابلہ کے مسلک کے مطابق وہ فسخ نکاح کی مستحق ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے مسلک کے مطابق 'مسلمان جج 'جو شرعی احکام پر فیصلہ کرتا ہو 'یا بصورت دیگر دیانت دار اور عادل مسلمان علما کی ایک مجلس (پنچایت) 'عورت کی درخواست پر نکاح فسخ کر سکتی ہے اور وہ فسخ نکاح کے فیصلے کے بعد عدّت گزار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے۔علماے دیوبند ؒ نے شدید ضرورت کے وقت اس مسلک پر فتویٰ دے دیا ہے 'اور بوقت ضرورت ایک فقہی مسلک سے دوسرے فقہی مسلک کی طرف رجوع کرنا ابن الہمام حنفی نے فتح القدیر میں اور علامہ شامی نے بھی جائز قرار دیا ہے۔

اس لیے لڑکی عدالت میں یا علما کی پنچایت میں 'جس کے ارکان کم از کم تین ہونے چاہییں 'حقوق زوجیت کی عدم ادائیگی کی بنا پر فسخ نکاح کی درخواست دائر کرے 'اور عدالت یا پنچایت ضروری تحقیق کے بعد فسخ نکاح کا فیصلہ دے دے۔فیصلے کے بعد عدت گزر جائے تو جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

شرعاً اس سے مراد وہ غائب شخص ہے جس کا حال معلوم نہ ہو کہ آیا زندہ ہے 'جس کے آنے کی امید نہ ہو یا مرکر سپردِ لحد ہو گیا ہے"۔

ابن عابدین لکھتے ہیں: "میں کہتا ہوں کہ بظاہر مکان سکونت کا علم اس کی موت و حیات کے علم کو مستلزم ہے۔اور اس کا عدم علم 'موت و حیات کے عدم علم کو مستلزم ہے۔۔لیکن اگر اس کی جائے قیام تو دارالحرب میں معلوم ہو 'مگر اس کے حالات معلوم نہ ہوں کہ زندہ ہے یا مرگیا ہے 'تو بے شک یہ بھی مفقود الخبر ہے"۔

زوجہ "مفقود الخبر" کے بارے میں مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ چار سال کے بعد یا 'بعض صورتوں میں ایک سال کے بعد 'اس کا نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔لیکن یہ مدت اس وقت سے شروع ہوگی جس وقت زوجہ مفقود کی درخواست پر قاضی مجاز نے فسخ نکاح کے لیے یہ مدت مقرر کی ہو۔اس مدت کے بعد عدّت گزار کر وہ نکاح ثانی کر سکے گی۔علماے دیوبند ؒ نے مالکیہ کے مسلک پر فتویٰ دے دیا ہے۔اس فتوے اور مالکیہ کے مسلک کی تفصیلات کے لیے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے "الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزہ" کے نام سے مستقل رسالہ لکھا ہے 'جس پر تقریباً تمام اکابر علماے دیوبند کے تائیدی دستخط موجود ہیں۔

لیکن زید کے مفقود الخبر ہونے پر میں مطمئن نہیں ہوں اس لیے اس لڑکی پر مفقود الخبر کی زوجہ کے احکام کا اطلاق کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔البتہ فسخ نکاح کی ایک دوسری صورت بھی ہے۔

لڑکی اگر ڈھاکے سے اپنے شوہر کی اجازت اور رضامندی سے کراچی آئی تھی 'جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے 'تو پھر اس کے اخراجات اور حقوق زوجیت شوہر پر واجب ہیں۔اخراجات کی وصولی چونکہ بظاہر ناممکن ہے اس لیے مالکیہ اور حنابلہ کے مسلک کے مطابق وہ فسخ نکاح کی مستحق ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے مسلک کے مطابق 'مسلمان جج 'جو شرعی احکام پر فیصلہ کرتا ہو 'یا بصورت دیگر دیانت دار اور عادل مسلمان علما کی ایک مجلس (پنچایت) 'عورت کی درخواست پر نکاح فسخ کر سکتی ہے اور وہ فسخ نکاح کے فیصلے کے بعد عدّت گزار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے۔علماے دیوبند ؒ نے شدید ضرورت کے وقت اس مسلک پر فتویٰ دے دیا ہے 'اور بوقت ضرورت ایک فقہی مسلک سے دوسرے فقہی مسلک کی طرف رجوع کرنا ابن الہمام حنفی نے فتح القدیر میں اور علامہ شامی نے بھی جائز قرار دیا ہے۔

اس لیے لڑکی عدالت میں یا علما کی پنچایت میں 'جس کے ارکان کم از کم تین ہونے چاہییں 'حقوق زوجیت کی عدم ادائیگی کی بنا پر فسخ نکاح کی درخواست دائر کرے 'اور عدالت یا پنچایت ضروری تحقیق کے بعد فسخ نکاح کا فیصلہ دے دے۔فیصلے کے بعد عدت گزر جائے تو جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

اگر اس کا شوہر زید فیصلے سے پہلے یا فیصلے کے بعد عدّت کے دوران آگیا تو بیوی اسی کی رہے گی۔ لیکن اگر عدت گزر جانے کے بعد آیا' تو فسخ نکاح اور عدت کے گزر جانے کی وجہ سے اس کا نکاح ٹوٹ گیا ہے' بیوی اسے نہیں ملے گی۔ وہ آزاد ہوگی جس سے چاہے نکاح کرے' نئے شوہر سے یا پرانے شوہر سے۔ (گ۔د)

اعضا کی پیوند کاری

ترجمان القرآن' مارچ ۱۹۹۵ میں' اعضا کی پیوند کاری کے مسئلہ پر' شائع ہونے والے ایک مقالے میں فاضل مصنف نے اپنے دلائل کے حق میں سلف کی حدیث وفقہ کی مستند کتابوں سے بے شمار حوالے دیے ہیں۔ ان میں سے دو حوالوں پر چار پانچ قارئین نے اپنے اضطراب کا اظہار کیا ہے۔ ان میں سے بعض قارئین کی نظر میں مدیر کو ان حوالوں کو حذف کر دینا چاہیے تھا کیونکہ یہ سخت قابل اعتراض ہیں' ایسی چیزیں بطور حوالہ بھی ترجمان میں چھپنا ہی نہ چاہییں۔ ایک صاحب کی نظر میں ان حوالوں کو نقل کر کے مدیر نے اہانت انبیا کا ارتکاب کیا ہے۔ بعض نے اس معاملے کو اس طرح لیا ہے کہ گویا قرطبی جیسے جید علما کے حوالے دراصل ترجمان کی رائے یا مدیر کے فتویٰ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعض کی نظر میں کسی اجتہادی مسئلے پر اختلافی آرا نقل کرنا ترجمان جیسے دعوتی پرچے کی شان کے خلاف ہے' اور کنفیوژن پیدا کرنا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ مجموعی طور پر معاملے کی وضاحت کر دوں۔

۱۔ یہ ایک مذاکرہ تھا۔ ایک مقالہ پیوند کاری کے خلاف تھا' ایک حق میں۔ مقالے کا موضوع بہرحال استدلال کے لیے دیا ہوا کوئی حوالہ نہ تھا' پیوند کاری تھا۔ اپنے موقف کی تائید میں جو دلیل لائی جائے' اگر وہ مستند کتابوں سے نقل ہو' اس پر صاحب تحریر کو بھی ملزم نہیں گردانا جاسکتا' کجا کہ مدیر کو۔ اگر صرف حوالہ نقل کرنا گناہ اور قابل اعتراض ہو تو علمی بحث' اس کے لیے سلف کی کتابوں سے حوالے' ان کی اشاعت' سب کے دروازے بند ہو جائیں گے۔

۲۔ یہ مقالہ لکھنے والے ایک جید عالم ہیں' ایک بہت بڑی دینی درس گاہ کے صدر مدرس۔ یہ مقالہ جس مجلس میں پڑھا گیا وہاں ہر مکتب فکر کے علما کثیر تعداد میں موجود تھے۔ یہ جس کتاب میں شائع ہوا' وہ کثیر تعداد میں پھیل چکی ہے۔ جو اعتراضات آپ کے دل میں آئے' جو نتائج آپ نے نکالے' میرے علم کی حد تک وہ اعتراضات اور نتائج کہیں' کسی نے بھی نہیں اٹھائے۔

۳۔ حوالے' جو فاضل مصنف نے بھی صرف نقل کرنے کے "جرم" کا ارتکاب کیا ہے' سلف کے جید علما کی مستند کتابوں میں سے ہیں۔ ایک حوالہ خلاصۃ الفتاوٰی سے ہے' اور دوسرا قرطبی کی

الجامع لاحکام القرآن سے ۔ دونوں کتابوں کے مولفین کو بھی یہ گمان نہ گزرا کہ وہ یہ فتاویٰ نقل کرتے ہوئے کسی گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں ۔

۴۔ ایک فتویٰ علامہ ابوبکر کا ہے ' جسے خلاصۃ الفتاوی کے مولف نقل کرتے ہیں ۔ دوسرے فتوے کی نسبت امام شافعی کی طرف ہے ' جسے قرطبیؒ نے نقل کیا ہے ۔ ابوبکر اور امام شافعی جیسے بزرگوں کے علم و تقویٰ اور دینی حس کو بھی کوئی کھٹک محسوس نہ ہوئی کہ وہ ایسے فتوے دے کر کسی گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں ۔ اس لیے کہ اگر ان فتاویٰ کو نقل کرنا گناہ ہے ' تو اصل گناہ گار ابوبکر اور شافعی ثابت ہوں گے جنھوں نے ایسے فتوے دینے کی جسارت کی ' پھر کسی درجہ میں قرطبی ۔

۵۔ فاضل مصنف نے حوالے نقل کرتے ہوئے پوری احتیاط ملحوظ رکھی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :
''قرآن مجید کی حرمت ' انسانی اعضا کی حرمت سے زیادہ صراحت کے ساتھ ثابت ہے ۔ یہاں تک کہ بے وضو اسے چھونا بھی جائز نہیں ۔ لیکن علاج کے لیے فقہا نے آیات قرآنی بھی ناپاک چیزوں سے لکھنے کی اجازت دی ہے'' ۔ سوال یہ نہیں کہ فقہا نے یہ رائے دی ہے یا نہیں ' وہ تو بہرحال دی ہے ۔ یہ بھی نہیں کہ یہ رائے صحیح ہے یا نہیں ۔ غلط ہو سکتی ہے ۔ بلکہ استدلال یہ ہے کہ اگر فقہا علاج کے لیے قرآن مجید جیسی محترم کتاب کو اس طرح لکھنا جائز قرار دے سکتے ہیں ' تو انسانی اعضا کی پیوند کاری علاج کے لیے کیوں ناجائز ہوگی ۔

دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں کہ ''ناقلین نے تو یہاں تک نقل کر دیا ہے کہ امام شافعی نے ..... الخ'' ۔ آپ الفاظ پر غور کیجیے ' وہ اس کی نسبت امام شافعی کی طرف براہ راست نہیں کر رہے ۔ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی کر رہے ہیں کہ ''یہاں تک نقل کر دیا ہے'' ۔ پھر لکھتے ہیں کہ ''اہل علم نے اس پر گرفت کی'' ' فقہا شوافع نے اس رائے سے رجوع کیا ' اور یہ قرار دیا کہ ''شارع کے نزدیک انبیا کی نعش کی حرمت مضطر کی روح سے بڑھی ہوئی ہے'' ۔

آپ کی نظر آگے اور پیچھے ان تمام احتیاطی اور استثنائی کلمات پر سے تو اچٹ گئی ' جن کی وجہ سے ایڈٹ کرتے ہوئے مجھے کسی حذف کی ضرورت محسوس نہ ہوئی ' لیکن صرف اس پر اٹک گئی کہ ترجمان القرآن میں ''یہ جملے'' چھپے ہیں ' اور یہ ایک گناہ کا ارتکاب ہوا ہے ۔

۶۔ میں نے پورا مقالہ پڑھا تھا ' اور کیونکہ میں نے ہر بات کو سیاق و سباق میں پڑھا تھا اس لیے مجھے یہ بالکل نہ کھٹکی ۔ اگر یہ بات مجھے کھٹکتی تو یہ بالکل اسی طرح کی بات ہوتی کہ میں اس بات پر کھٹکتا کہ قرآن میں "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ" لکھا ہے ' قرآن میں مضطر کو سؤر کا گوشت کھانے کی اجازت دی گئی ہے ' مجبور آدمی کو کلمۂ کفر کہنے کی اجازت دی گئی ہے ۔ میں ان باتوں کو حذف کر سکتا تھا ' لیکن یہ ایسا ہوتا جیسے

یہ کہ میں قرآن سے لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ یا فَمَنِ اضْطُر کے الفاظ حذف کر دیتا۔

۷۔ پھر اگر ہم اسی طرح حذف کرنے پر آئیں، تو ہمیں تفسیر، حدیث اور فقہ کے قیمتی ذخیروں سے بے شمار باتیں حذف کرنا ہوں گی۔ یا پھر ان کے حوالے دینے سے احتراز کرنا ہو گا۔ کیا ہم اس بات کے لیے تیار ہیں؟

۸۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس سے ترجمان کی دعوتی حیثیت مجروح ہوتی ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ ترجمان ہمیشہ سے علمی بھی رہا ہے اور دعوتی بھی۔ علمی ہونا اور دعوتی ہونا باہم متناقض امور بھی نہیں ہیں۔ دعوت کے وسیع مفہوم میں یہ شامل ہے کہ عہدِ حاضر کے مسائل پر بحث، مذاکرہ اور ان کے حل کی تلاش کی جائے۔

۹۔ اب دوستوں کی عادت ہوگئی ہے کہ وہ چھوٹتے ہی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ مولانا مودودیؒ کے زمانے میں ترجمان میں ایسی اختلافی باتیں نہیں ہوتی تھیں۔ یہاں تو یہ باتیں بطریق استدلال اور حوالوں سے نقل ہوئی ہیں، اور مدیر کا مقام تو نہ مفتی کا ہے نہ مجتہد کا، (صاحب مقالہ کا ضرور ہے) مولانا مودودیؒ تو خود مجتہد اور مفتی تھے، مفکر بھی تھے۔ انھوں نے ترجمان میں جو اپنی آرا اور فتاویٰ شائع کیے ہیں، ان میں سے بعض کی بنیاد پر بڑا اختلاف پیدا ہوا، اور ان کے خلاف بہت سے فتوے جاری ہوئے۔

۱۰۔ بہرحال آیندہ میں آپ جیسے قارئین کی سوچ اور فکر کو بھی سامنے رکھا کروں گا۔ لیکن جہاں دور دور نہ میں کوئی اپنی رائے دے رہا ہوں نہ فتویٰ میں اس کی ضمانت نہیں دے سکتا کہ آیندہ سلف میں سے کبھی کسی کی ایسی رائے نقل نہ ہوگی جو آپ کو ناگوار ہو۔

ترجمان، اسلام اور اُمّت کے مستقبل کا نقیب بھی ہے، آج کے سلگتے ہوئے سوالات کا جواب دینے یا کم سے کم تیار کرنے کا عزم رکھتا ہے۔ سلف کے درمیان بھی جب اختلافات ہوئے، تو نئے نئے مسائل پر آج بھی اختلاف ہوں گے، لیکن بحث و تمحیص کے علاوہ ان کا حل نکلنا ممکن نہیں۔ قارئین کو جس عالم پر اعتماد ہو اس کی پیروی کریں، لیکن ترجمان کے صفحات کو آج کے سلگتے ہوئے مسائل پر بحث و مذاکرہ سے پاک رکھنے پر اصرار نہ کریں۔ (خرم مراد)